عاشورانویسی کے جدید رجحانات اوراس کے عوامل

(۱۹۶۰ سے ۲۰۱۰ تک)

Modern Trends in Historiography of Ashura and its Causes (from 1960 to 2010)

Dr. Syed Alamdar Hussain Naqvi
PhD. History, Almustafa International Univisty, Qom
E-mail: ahussain207@gmail.com
Dr. Muhammad Reza Barani
Assistant Professor in History Department, Al-Zahra Univeristy
E-mail: m.barani@alzahra.ac.ir

Abstract

The event of Karbala has always been of interest to historians. In the last century, there have been significant changes in Historiography of Ashura. But, the period from 1960 to 2010 can be considered an important one in terms of both quantity and quality. Instead of taking the narrative aspect of the historiography of Ashura, this period ushered in a research-based and analytical approach. Drawing on this approach, both Shia and Sunni scholars produced many works in this era in the subcontinent, Egypt, Lebanon, Iraq, and especially in Iran, where many research-based books were written. This article presents an introduction of the historiography of Ashura over the 50 years, spanning from 1960 to 2010.

Key words: Imam Hussain, Maqtle, Historiography of Ashura, Calamities, Analysis.

خلاصہ

واقعہ کربلا ہمیشہ مورخین کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ گذشتہ صدی میں عاشورانویسی میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں لیکن 1960 سے 2010 تک کا دَور، اپنی کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے عاشورانویسی کا ایک اہم دَور قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس دَور میں عاشورانویسی کے محض توصیفی پہلو کو سامنے رکھنے کی بجائے، اس میں تحقیقی اور تجزیاتی اسلوب کا آغاز ہوا۔ اس دَور میں برصغیر، مصر، لبنان، عراق اور ایران میں شیعہ اور اہل سنت دونوں مکاتبِ فکر کی جانب سے اس جدید اسلوب سے مزیّن متعدد تصانیف منظر عام پر آئی ہیں۔ اس عرصے میں ایران میں

بہت زیادہ کام ہوا ہے اور متعدد تحقیقی کتب تالیف کی گئی ہیں۔ پیشِ نظر مقالہ میں 1960 سے 2010 کے پچاس سالہ عرصہ میں عاشورانویسی کا تحقیقاتی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: امام حسین علیہ السلام، مقتل، عاشورانویسی، مصائب، تحلیل و تجزیہ۔

مقدمہ

واقعہ کربلاآغاز سے عصر حاضر تک محدثین و مورخین کی توجہ کا مرکز رہاہے۔ واقعہ کربلا، تاریخ ہی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جسے مقتل کہا جاتا ہے اور اس کا آغاز سیرت نبوی کے تقریباً ہم زمان ہوا اور آج کے دور میں مقتل کے بجائے عاشورا نگاری کی اصطلاح بیشتر رائج ہے۔ یہ واقعہ ہر دور میں تاریخ و حدیث کی کتب میں مختلف زاویوں اور نقطہ نظرات سے نقل اور بیان کیا جاتا رہاہے۔[1] جس کی وجہ امام حسین علیہ السلام اور اس واقعہ کے بارے میں مختلف آراء نظر آتی ہیں اس لحاظ سے اگر عاشورا نگاری یا مقتل نگاری کے تسلسل اور ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو اس میں واقعہ کربلا کی تاریخ نویسی میں رونما ہونے والے تحولات و تغییرات کو بآسانی دیکھا جاسکتا ہے اور جیسے جیسے عصر حاضر سے قریب ہوتے جائیں اس واقعہ سے متعلق تحلیل و تجزیہ کی بناء پر جدید رجحانات، کثرت سے اسلامی ممالک کے محققین از جملہ دنیائے عرب، ایران اور برصغیر میں نظر آتے ہیں جن کا بنظر غائر مطالعہ ضروری اور فائدہ مند ہوگا۔

تحریر ہذا میں محققین کے ان رجحانات اور ان کی بناپر تجزیاتی عاشورہ نویسی کا جائزہ لیا جائے گا۔ جو گذشتہ پانچ دہائیوں یعنی ۱۹۶۰ سے ۲۰۱۰ عیسوی تک مختلف نقطہ نظرات سے لکھی گئی ہیں۔ ان پچاس سال کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس عرصے میں واقعہ کربلا کی تاریخ نویسی میں متعدد تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ایک تبدیلی تو یہ واقع ہوئی کہ اس مدت زمان میں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے جتنی کتابیں لکھی گئی گذشتہ چودہ صدیوں میں بھی نہیں لکھی گئیں۔ اگر کمیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو شاید چھ ہزار سے بیشتر کتب اور مقالات صرف ایران میں انہی پچاس سالوں میں لکھی گئیں[2] اس کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی بہت متعدد کتب تحریر کی گئیں۔[3]

اور اگر کیفیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو علمی و تحقیقی کتابیں جو جدید تحقیقاتی اسلوب سے لکھی گئی وہ بھی تمام کی تمام اسی عرصے میں منصہ شہود پر آئیں۔ نتیجتا واقعہ کربلاکے علل و اسباب اور امام حسین علیہ السلام کے مقصد کے بارے میں مختلف و متضاد نظریات سامنے آئے ہیں اس لیے اس تحریر میں محققین کی طبقہ بندی ان کے رجحانات و نظریات اور فکری مبانی کی بناپر کی گئی ہے۔ بالخصوص ایران کے محققین بیشتر توجہ کا مرکز رہیں گے کیوں کہ ایران میں باقی ممالک سے زیادہ کتب اور مقالات اس موضوع پر تحریر کیے گئے ہیں۔ اس تحریر کا اصلی ہدف ان

محققین کی آراء اور رجحانات کے بارے میں تحقیق ہے جو علمی حیثیت کی حامل اور جدید تجزیاتی اسلوب پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ عاشورا کے موضوع پر بہت زیادہ کتب تحریر کی گئی ہیں لیکن اکثر کتابیں علمی اعتبار سے اس قابل نہیں کہ ان کو علمی پیمانہ پر جانچا جائے اور اس لیے صرف انہی کتب اور مولفین کا انتخاب کیا گیا ہے جنہوں نے تحقیقاتی اسلوب اختیار کیا اور ایک خاص نقطہ نظر اور رجحان کو وجود میں لانے یا اسے وسعت اور تقویت دے کر اس کے ارتقاء و دوام کا باعث بنے۔

۱۔ عاشورہ نویسی کا مختصر جائزہ آغاز سے دور حاضر تک

عاشورہ نویسی، تاریخ نویسی کی ابتدائی اور ذیلی شاخ ہے جسے آغاز میں مقتل سے موسوم کیا جاتا تھا مقتل نویسی کا آغاز سیرہ نبوی کے ہم زمان دوسری صدی ہجری سے ہوا۔ اس وقت تاریخ نگاری کی یہ صنف تک نگاری یا موضوعاتی تالیف کی صورت میں تھی جسے ہم مونو گرافی کہہ سکتے ہیں پھر تیسری صدی میں اس رجحان میں اضافہ ہوا لیکن تیسری صدی ہی میں مورخین کی جانب سے عمومی تاریخ نویسی کے جدید اسلوب کا آغاز ہوا جس سے بتدریج چوتھی سے ساتویں صدی تک اضافہ ہوتا چلا گیا اور مقتل نویسی مونو گراف کی نادر شکل میں باقی رہ گئی اور تاریخ عمومی کا غلبہ ہوتا گیا البتہ تاریخ کی یہ مفصل کتب ان روایات پر مشتمل تھیں جو روایات ابتدائی دور تدوین کی موضوعاتی تالیفات (مقتل) میں ذکر کی گئی تھیں۔ انہی مفصل تاریخوں میں دوسرے تاریخی واقعات کی مانند واقعہ کربلا کی روایات بھی درحقیقت انہی موضوعاتی تالیفات (مقتل) سے من و عن یا اقتباس کی صورت میں نقل کی گئی تھیں۔ البتہ تمام مقاتل کی روایات معتبر ہونے کے حوالے سے یکساں درجے کی نہ تھیں اس لیے انہی صاحبان مقاتل کی روایات باقی وہ گئیں جو برجستہ شخصیت اور علمی مقام کے حامل تھے۔ پس مقتل کے مصنف کی علمی شخصیت، روایات کی اہمیت و اعتبار کے لحاظ سے عمومی تواریخ کا جز لاینفک بن گئیں۔ ساتویں صدی تک ان کتب میں واقعہ کربلا کی روایات کی حیثیت محض تاریخی تھی اس میں رثاء کا عنصر بہت محدود تھا۔[4] یہاں تک کے سید ابن طاووس نے زائرین کے لئے کتاب لھوف تحریر کی تاکہ وہ زیارت کرتے وقت ان جانسوز مصائب کو پڑھ کر اس غم کو تازہ کر سکیں۔[5] پھر نویں صدی میں ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون میں نظریہ عصبیت کی بنیاد پر واقعہ کربلا کا تجزیہ اور تحلیل کی[6] لیکن باوجود علمی اور محققانہ تجزیہ ہونے کے اُس دور کے مورخین کی توجہ کو جلب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا البتہ موجودہ دور میں اس تجزیہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ بالخصوص اس کے بعض اقتباسات سے موجودہ دور میں بعض افراد نے استفادہ کیا اور اس کا خوب پرچار کیا۔[7]

اس کے بعد دسویں صدی ہجری میں اہلسنت کے ملا واعظ کاشفی نے روضہ الشہداء نامی کتاب لکھی جس سے روضہ خوانی کا آغاز ہوا اور روضہ خوانی، مصائب خوانی کی اصطلاح کے طور پر رائج ہو گئی[8] اس سے پہلے مصائب شعر و مرثیہ کی صورت میں پڑھا جاتا تھا لیکن روضہ الشہداء کی تالیف کے بعد مصائب نثر کی صورت میں پڑھا جانے لگا۔ البتہ بعض روایات کے مطابق چھٹی صدی ہجری میں ایران کے بعض شہروں میں محرم کے پہلے دس دنوں میں اہل سنت کے ہاں مصائب خوانی بصورت قصہ و شعر رائج تھی اور لطف کی بات یہ ہے کہ شیعہ سے زیادہ اہل سنت کے ہاں رواج رکھتی تھی[9]۔ بہر حال روضہ الشہداء مصائب خوانی کی تاریخ میں پہلی کتاب ہے اور اس موضوع پر ایک اہم موڑ کی حیثیت اختیار کر گئی اور اسے ہند و ایران و عراق میں محرم کی مجالس میں پڑھا جانے لگا[10] اور چونکہ اسے سامنے رکھ کر پڑھا جاتا تھا اس لیے پڑھنے والے کے لئے روضہ خوان کی اصطلاح رائج ہو گئی۔ ہندوستان میں پہلے قطب شاہی دور میں اسے فارسی میں پڑھا جاتا[11] اور بعد میں اس کے منظوم اور غیر منظوم ترجمے ہوئے جن کو اردو میں پڑھا جاتا اور اس کے بعد ایک شیعہ عالم فضل علی فضلی نے کربل کتھا کے نام سے ایک کتاب لکھی جو درحقیقت روضہ الشہداء کا ایسا ترجمہ ہے جس میں اس کتاب کے مضمون اور مفاد کو اردو میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس پر اضافہ بھی کیا گیا ہے۔[12] اس کے علاوہ اس کتاب کو متعدد لوگوں نے خلاصہ بھی کیا جن میں سے ایک خلاصہ اس وقت گل مغفرت کے عنوان سے حیدر بخش حیدری کا موجود ہے۔[13]

اس کے بعد گیارہوں صدی ہجری میں صفویہ دور میں شیعہ کے ہاں اسی طریقے پر روضہ خوانی کی کتب لکھنے کا آغاز ہوا اور عراق میں موجود روضہ خوانوں میں سے بعض نے اسی کتاب سے متاثر ہو کر کتب لکھیں۔ پہلی کتاب فخر الدین طریحی (م 1085ق) نے المنتخب کے نام سے عین جوانی کی عمر میں لکھی جو درحقیقت اس کی تقریروں کا مجموعہ تھی۔[14] اس کے بعد ملا رضی قزوینی (زندہ در 1134ق) کتاب تظلم الزہراء لکھی جسے ہم لہوف کی شرح بھی کہہ سکتے ہیں قزوینی نے اس کتاب کی تالیف کے لئے المنتخب طریحی و بحار الانوار سے استفادہ کیا۔[15] اور اس طرح روضہ الشہداء کے بعد مقتل نویسی کا عزاداری کی محافل و مجالس سے گہرا رشتہ قائم ہو گیا بالخصوص گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری میں یہ رشتہ مستحکم تر ہو گیا جس کے نتیجے میں مقتل نویسی روضہ نویسی میں ڈھل گئی اور صفویہ حکومت میں عزاداری کی مجالس و محافل کا آزادانہ انعقاد اور بادشاہوں کی سرپرستی اور ان مراسم میں شرکت سے اس رجحان کو اور مزید تقویت ملی۔[16]

قاجاری دور حکومت میں مذکورہ رجحان میں اضافے کے سبب روضہ خوانی کے نقطہ نظر سے سب سے زیادہ کتابیں اسی دور ہی میں لکھی گئیں۔[17] حتیٰ نجف کے دینی و علمی مراکز کے علماء و فضلاء روضہ خوانی اور روضہ نویسی کے

میدان میں سامنے آگئے جیسے ملا دربندی (متوفی 1286 ہجری) وغیرہ اس کے علاوہ دوسرے افراد میں سے محمد تقی سپہری (متوفی 1297ق) اور حبیب کاشانی (م 1340ق) نے اپنی تالیفات کے ذریعے اس رجحان کو بڑھاوا دیا۔ مذکورہ کتب میں من گھڑت اور ضعیف روایات کا اضافہ بھی کیا گیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان ضعیف اور مافوق الفطرت واقعات پر مشتمل روایات کی عجیب و غریب توجیہ و تاویل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔[18]
قاجاری دور میں لکھی جانے والی مذکورہ اور دیگر تمام کتب ضعیف اور من گھڑت قصوں سے بھری پڑی ہیں اور اس المیہ کی وجہ یہ ہے کہ ان کتب میں واقعہ کربلا کی تاریخی حیثیت سے زیادہ اس کی مصائب خوانی کی ضرورت کے پیش نظر رثائی حیثیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی اس طرح مقتل نویسی کا جدید اسلوب مصائب خوانی اور روضہ نویسی کی صورت میں سامنے آیا جس کا تاریک پہلو یہ تھا کہ اس میں رثائی پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے جعلیات و ضعیف روایات کو کثرت سے شامل کیا جانے لگا اور تنقید اور علمی و اجتہادی طریقہ کار کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا اور روضہ خوانی کی کتب احساسات کے غلبہ کی وجہ سے اپنا علمی اعتبار کھو بیٹھیں البتہ مصائب خوانی کی مجالس کے تقدس اور فلسفہ ثواب گریہ نے اس علمی ضعف کے خلا کو پُر کر دیا۔

اگرچہ ان من گھڑت اور ضعیف کتب و روایات کے خلاف ہند، ایران، عراق اور لبنان میں مختلف اوقات میں آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ محدث نوری وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نے سلبی اور تنقیدی پہلو سے لولو والمرجان کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں من گھڑت روایات کو شدید تنقید کا نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ منبر کے تقدس کے لئے اہل منبر کے آداب و شرائط کا مفصل تذکرہ بھی کیا۔[19] قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصلی سبب جونپور کے ایک عالم دین کا محدث نوری کو خط ہے کہ جس میں محدث نوری سے انحراف کے سد باب کے لئے کتاب تالیف کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔[20]

اور اس کے بعد قاجاری شہزادے فرہاد مرزا نے ۱۳۰۳ہجری میں اثباتی نقطہ نظر سے بنا تنقید کیے حشو و زواید سے پاک فقط معتبر روایات کو جمع کرنے کا ادعا کیا تاکہ اس طرح مقتل نویسی کی موجودہ کتب میں موجود ضعف کا ازالہ کیا جاسکے[21] اور پھر اسی اثباتی اسلوب کے مطابق شیخ عباس قمی نے قاجاری دور حکومت کے آخری حصے میں پہلے ۱۳۳۵ہجری میں کتاب نفس المہموم لکھی اور پھر دوسرے مرحلے ۱۳۵۰ہجری میں منتہی الآمال جو آئمہ اثنا عشر کی زندگی پر مشتمل ہے اس میں واقعہ کربلا کی روایات کی مزید تہذیب کر دی۔[22] اس کے ہم زمان لبنان میں محسن امین عاملی نے سلبی اور اثباتی دونوں پہلوؤں سے کتابیں لکھیں جس پر انہیں شدید تنقید و توہین کا سامنا کرنا

پڑا۔[23] خلاصہ کلام یہ کہ قاجار کا دور حکومت میں واقعہ کربلا کی تاریخ نویسی یا بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ احساساتی اور رثائی نقطہ نظر سے واقعہ کربلا کی تاریخ روضہ نویسی کی صورت میں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔
اس کے بعد پہلوی دور حکومت میں یہ سلسلہ نہایت سست روی کا شکار ہو جاتا ہے لیکن پہلوی دور حکومت کی آخری دو دہایوں میں یعنی ۱۳۸۰ہجری (مطابق با ۱۹۶۱عیسوی و ۱۳۴۰ہجری شمسی) واقعہ کربلا کی تاریخ نویسی میں ایک واضح تبدیلی رونما ہوئی اور وہ یہ کہ واقعہ کربلا کی تجزیاتی اور تحلیلی تاریخ کا آغاز ہوا اور وہ بھی مذہبی حلقہ اور مذہبی مراکز سے اس کی ابتداء ہوئی۔ اگرچہ اس سے پہلے دوسرے ممالک بالخصوص مصر، لبنان اور برصغیر میں کسی حد تک اس واقعہ کربلا کی تاریخ نویسی کا جدید اسلوب سے آغاز ہو چکا تھا[24]۔ لیکن ایران میں یہ کام تاخیر سے شروع ہوا لیکن اس تاخیر کے باوجود اس میدان میں اسلام کی بالعموم اور واقعہ کربلا کی بالخصوص تجزیاتی تاریخ میں دوسروں سے سبقت لے گئے۔

۲۔ جدید اسلوب کے عوامل

گذشتہ صدی میں تاریخی تجزیہ نگاری کے جس اسلوب کا آغاز ہوا اس کے مختلف عوامل درج ذیل ہیں۔

۱۔۲۔ تجدد پسندی کے اثرات

پندرہویں صدی سے یورپ میں احیائے علوم اور روشن فکری کی جس تحریک کا آغاز ہوا جس کی مذہبی حلقہ کی جانب سے شدت سے مخالفت کی گئی۔ اس احیائے علوم کی تحریک سے تاریخ کے مطالعہ کو بہت تقویت پہنچی۔ تاریخ بھی جو اس سے پہلے فقط وقائع نویسی تک محدود تھی اب جدید تجزیاتی اسلوب اور فلسفہ تاریخ کی روشنی میں لکھی جانے لگی۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں یہ علم ابتدائی درجات سے لے کر اعلی یونیورسٹی کے اعلی درجات تک پڑھایا جانے لگا۔[25] اور پھر مسلمانوں کے یورپ کے ساتھ سیاسی و ثقافتی تعلقات برقرار ہوئے جس نے تعلیم کے شعبے پر بہت گہرے اثرات چھوڑے اس عرصے میں تاریخ کو ایک علم کی حیثیت حاصل ہوئی اور نئی روایت نے جنم لیا۔ اس کی واضح مثال برصغیر اور مصر میں لکھی جانے والی کتب ہیں جیسے طہ حسین نے کتاب علی وبنوہ اور عقاد نے ابوالشہداء لکھی۔

۲۔۲۔ مختلف ممالک کے دانشوروں کے باہمی روابط

اس کے ساتھ ہی دوسرے اسلامی ممالک کے ساتھ علمی روابط کی برقراری یا دانشوروں کا اسلامی ممالک میں سفر اور دوسرے مسلمان دانشوروں سے میل ملاقات اور ان کی جدید تحقیقات سے استفادہ سے بھی اس نئے رجحان کو بہت زیادہ تقویت ملی جس کی ایک مثال شبلی نعمانی ہے بقول چوہدری محمد علی، شبلی کی تصانیف دو حصوں میں

تقسیم کی جاسکتی ہیں ایک وہ جو ان کے مصر و شام کے سفر سے پہلے جیسے المامون وغیرہ اور دوسری وہ جو بعد میں شائع ہوئیں اس سفر نے مولانا کی آنکھیں کھول دیں[26]۔ اسی طرح کی مثالیں تمام ممالک میں موجود ہیں وہ لوگ جو تعلیم کی غرض سے یورپ یا دوسرے ممالک گئے یا جنہوں نے دوسرے اسلامی اور غیر اسلامی تعلیمی مراکز کے دورے کیے اور ان کے ساتھ ارتباط قائم کیے اس کے اثرات ان کی تالیفات میں واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں جیسے ایران کے سید جعفر شہیدی جو حوزہ علمیہ نجف کے فاضل اور درجہ اجتہاد پر فائز تھے جب مصر کے سفر میں ڈاکٹر طہ حسین سے تعارف ہوا اور تو ان کی تالیفات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے جس کی دلیل یہ ہے کہ ڈاکٹر شہیدی کی تالیفات میں طہ حسین کے اسلوب اور ان کے تجزیہ کی جھلک واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

اس علمی سفر اور ارتباط سے بھی کہیں بڑھ کر جب تالیفات دوسرے ممالک میں پہنچی اور ان کے تراجم بھی ہونا شروع ہوئے تو علمی حلقے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جس کی ایک مثال مولانا مودودی کی تالیفات کی مصر میں تاثیر ہے جس سے سید قطب بہت متاثر ہوئے اور جب ان پر فرد جرم عائد کرکے پھانسی کی سزا کا حکم دیا گیا تو اس بات کا ان سے اعتراف لیا گیا۔[27]

۳۔۲۔ جدید نظام تعلیم

نیا نظام تعلیم جو پوری دنیا میں رائج ہوا جو در حقیقت اسی تجدد پسندی کا نتیجہ تھا۔ اس سے بھی معاشرہ پر کئی مثبت اور منفی اثرات مرتب ہوئے مثبت اثرات میں سے ایک یہ تھا کہ ہر چیز کی علت اور سبب دریافت کیا جانے لگا بالاخص تاریخ میں کیوں اور کیسے جیسے سوالات اٹھنے لگے یہی سوالات دانشوروں اور دینی علما سے بھی کیے جانے لگے اور دوسری طرف دینی علما نے جب جدید تعلیمی اداروں کا رخ کیا تو انہیں ان سوالات اور شبہات کا سامنا کرنا پڑا جس سے اس نئے رجحان کو مزید تقویت ملی۔ ایران میں شہید مطہری، ڈاکٹر ابراہیم آیتی، ڈاکٹر شہید بہشتی، عبدالکریم ہاشمی نژاد، ڈاکٹر جعفر شہیدی وغیرہ نے جب یونیورسٹیوں میں لیکچر دیے تو انہیں ان جدید سوالات کا سامنا کرنا پڑا جن کا جواب انہوں نے اپنے لیکچرز میں دیا یا انہی سوالات کو بنیاد بنا کر کتب لکھیں۔

۴۔۲۔ مطبوعات و جرائد و رسائل

ایک اور عامل جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی وہ علمی مجلات، رسائل اور جرائد کا رواج ہے جس سے مختصر مضامین اور مقالات لکھے جانے کا نیا طریقہ ایجاد ہوا اس سے پہلے مختصر رسائل بعض مسائل اور موضوعات پر لکھے جاتے تھے لیکن اب کہ نئے اسلوب اور منظّم اور تسلسل کے ساتھ یہ سلسلہ شروع ہوا۔ مقالات و مضامین میں غالباً ایک مسئلہ یا موضوع کو محور بنا کر اس کے بارے میں لکھا جاتا ہے اور تحقیق کی جاتی ہے اور مقالہ میں خصوصاً

سوال سے تحقیق کا آغاز کیا جاتا ہے انہی سوالات اور ان کی بنا پر لکھے گئے مقالات نے بھی اس جدید رجحان کو ارتقاء بخشا۔ اس دور میں حوزہ علمیہ کے علماء وفضلاء کی جانب سے مکتب اسلام کے نام سے ایک مجلّہ کا آغاز ہوا جس میں اس جدید نقطہ نظر سے مختلف موضوعات از جملہ تاریخی موضوعات پر مقالات لکھے گئے۔[28] بظاہر مودودی اور ابوالکلام نے بھی واقعہ کربلا سے متعلق جو کچھ لکھا وہ ایک مقالے کی صورت میں تھا۔

۵۔۲۔ تاریخ اور علم کلام کی باہمی کشمکش

یہ عامل امامیہ کے ساتھ مختص ہے اور سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور سے پہلے عاشورہ نویسی فقط وقائع نگاری ہی کی صورت میں رائج تھی اور وہ بھی احساساتی پہلو کے غلبہ اور روضہ خوانی کے زیر اثر حقیقی واقعات اور من گھڑت واقعات کے مخلوط ہو جانے سے اپنا اعتبار کھوتی جا رہی تھی۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر ابراہیم آیتی تیسری اور چوتھی صدی کی قدیم تاریخی کتب کو معتبر قرار دیتے ہیں اور روضہ خوانی کی کتب کو جعلی اور من گھڑت قرار دیتے ہیں۔[29]

اس جدید دور میں سامنے آنے والی تحقیقات کا اگر بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور میں کی جانے تحقیقات میں سوال کو محور قرار دے کر ایک مسئلہ کی صورت میں پیش کرنا اور پھر اس کے بعد اسی کے جواب کو علمی اسلوب سے ڈھونڈ کر اس مسئلہ کا حل پیش کرنا ہے۔ سوالات جو واقعہ کربلا کے بارے میں اٹھائے گئے وہ مختلف نوعیت اور مختلف زاویہ دید سے تھے مثلاً واقعہ کربلا کیوں پیش آیا؟ اس کے رونما ہونے میں کون سے عوامل دخیل تھے؟ امام حسین علیہ السلام کا ہدف کیا تھا؟ امام حسین علیہ السلام کیوں شہید ہوئے؟ کیا امام حسین علیہ السلام کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا؟ اس واقعہ کی تاثیر کتنی تھی اور کیوں مورخین کی توجہ کا مرکز رہا؟ عاشورا نویسی کن مراحل سے گزری؟ واقعات کے صحیح اور معتبر ہونے کا کیا معیار ہے؟ واقعہ کربلا میں کیا تحریفات ہوئیں اور ان تحریفات کے عوامل کیا تھے؟ اور اس کے علاوہ مختلف نوعیت کے سوال اٹھائے گئے جس سے اس واقعہ کے مختلف پہلو روشن ہوئے۔ ان تمام موضوعات میں واقعہ کربلا میں تحریفات اور اس کے عوامل واثرات، قیام امام علیہ السلام کے عوامل واسباب، اور امام حسین علیہ السلام کا ہدف سب سے زیادہ موضوعِ بحث رہے۔

انہی سوالات کے اٹھنے سے ایک ایسا مسئلہ پیش آیا جس نے تمام تر تحقیقات کو نئی جہت دی اور اس واقعہ کی تاریخ نویسی کا رخ ہی موڑ دیا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مورد نظر پچاس سال کی مدت میں اکثر تحقیقات اسی حول و محور میں انجام پاتی ہیں اور یہ اہم مسئلہ تاریخ اور علم کلام کا آپس میں تعارض و تضاد تھا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ انبیاء و آئمہ معصومین علیہم السلام کا علم غیب جاننے کی نوعیت اور کیفیت کیا ہے اور اس مسئلہ میں علماء سلف کی

مختلف و متضاد آراء اور ان کے تاریخی واقعات سے ٹکراؤ اور اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں ایک جدلی بحث کا آغاز ہوا۔ اگرچہ قدیم سے بھی علماء سلف کے درمیان یہ موضوع زیر بحث رہا لیکن اس میں شدت نہیں پائی جاتی تھی وہ موضوع یہ تھا کہ پیامبر ص و آئمہ معصومین ع کو غیب کا علم ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو اس کی کیفیت اور نوعیت کیا ہے؟ اگر خدا کی بر گزیدہ ہستیاں غیب کا علم رکھتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں روز مرہ پیش آنے والے خوشگوار یا ناگوار حوادث من جملہ اپنے انجام یعنی موت و شہادت کا علم ہوتا ہے۔ اس بناپر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آئندہ حوادث بالخصوص ناگوار حوادث کا علم ہے تو ان کے پیش آنے سے پہلے اس کا سدّ باب کیوں نہیں کر سکتے مثلاً اگر زہر یا تلوار کے ذریعہ شہادت کا علم ہے تو پھر اس علم کے باوجود زندگی بچانے کی تدبیر نہ کرنا اور موت کو گلے لگانا کیا یہ خود کو جان بوجھ کر معرض ہلاکت میں قرار دینا اور خود کشی کے مترادف نہیں؟ اور اس دستور قرآنی کی مخالفت نہیں وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔

پس وہ احادیث جو امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں شہادت پر مبنی ہیں یا امام حسین علیہ السلام کے اقوال جن میں واضح طور پر کہا گیا کہ انہیں شہید کیا جائے گا اور وہ شہادت کے لئے ہی جارہے ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت و شیعہ کی معتبر کتب میں یہ روایات موجود ہیں۔[30] یہ روایات جہاں عقیدتی نقطہ نظر کے حامل افراد کے علم غیب کے مسلک کی تائید کرتی ہیں وہیں انہیں علم غیب کے باوجود خود کو جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالنے جیسا مسئلہ بھی پیش آتا ہے اور اس کے ساتھ ہی علم غیب کے بالمقابل ایسے تاریخی واقعات ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو بظاہر شہادت کا علم نہیں تھا جیسا کہ امام علیہ السلام کے تمام تر تاریخی اقدامات اس بات کی گواہی دیتے ہیں جیسے بیعت سے انکار اور مدینہ سے مکہ کی طرف سفر اور مکہ میں چند ماہ قیام،[31] جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجنا[32] اور ان کے خط کے جواب کے بعد بصرہ والوں کو خط لکھ کر یزید کے خلاف قیام کی دعوت،[33] کوفہ کے حالات سازگار اور وہاں پر کامیابی اور غلبہ کے امکانات دیکھ کر مکہ سے کوفہ کی طرف سفر اور کوفہ پہنچنے سے پہلے اور ایک تہائی سفر طے کرنے کے بعد اہل کوفہ اپنی آمد کی اطلاع اور ان کو تیار رہنے کے لئے کہنا[34] اور پھر راستے میں مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملنے کے بعد بھی کوفہ میں داخلے کی کوشش اور پہلے حر بن یزید ریاحی سے مڈ بھیڑ کے بعد حر کے سامنے واپسی کا مطالبہ[35] اور اس پر اصرار اور پھر کربلا میں عمرو بن سعد سے واپس جانے کا مطالبہ[36] اور متعدد مقامات پر یہ اقرار کہ ہمیں نہیں معلوم کہ انجام کیا ہوگا جیسے فرزدق سے ملاقات کے بعد اور کوفہ کے حالات جاننے کے بعد فرماتے ہیں سب کچھ خدا کی دست قدرت میں ہے اگر قضای الہی ہمارے موافق رہی اور ہم کامیاب ہوئے تو ہم خدا کی اس نعمت پر شکر ادا کریں گے

اور اس شکر ادا کرنے کے لئے اس کی مدد کے طلب گار رہیں گے اور اگر قضای الہی ہماری ارادے اور منصوبے کے برخلاف نازل ہوئی تو اس صورت میں بھی ہمیں حق کا طلبگار ہونے کے باعث کوئی نقصان نہیں ہوگا[37] یا کوفہ کے نزدیک پہنچ کر طرماح بن عدی سے فرماتے ہیں: خدا کہ قسم مجھے امید ہے کہ خدا نے جو کچھ ہمارے لیے فیصلہ کر رکھا ہے وہ ہمارے حق میں بہتر ہے چاہے خدا کی راہ میں شہید ہو جائیں چاہے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔[38] ان تمام واقعات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام بظاہر اپنے انجام (شہادت) سے باخبر نہیں تھے اسی لیے ہر واقعہ کے بعد اس صورتحال کے مطابق اقدام کرتے آغاز میں بیعت سے انکار کیا اور مکہ آ گئے وہاں آکر کوفہ والوں کے خطوط ملے جن میں کوفہ آنے اور حکومت سنبھالنے کی دعوت دی گئ چونکہ کوفی قابل اعتماد نہیں تھے اس لیے اطمئنان حاصل کرنے کے لئے مسلم بن عقیل کو بھیجا اور جب انہوں نے کوفہ جاکر حالات کے سازگار ہونے کی خبر دی تو امام علیہ السلام رخت سفر باندھ کر کوفہ روانہ ہو گئے اور راستے میں کوفہ والوں کو خط لکھ کر اپنے آنے کی اطلاع دی اور ان کو تیار ہونے کو کہا اور جب کوفہ کے قریب آکر پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کے حالات ابن زیاد کے آنے سے بدل گئے اور مسلم شہید کر دیے گئے تو پھر بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد کوفہ میں جانے کی کوشش جاری رکھی اس امید پر کہ اگر کوفہ میں ایک دفعہ وارد ہو جائیں تو جس طرح ابن زیاد کے آنے سے کوفہ کے حالات بدل گئے امام علیہ السلام کے وارد ہونے سے پھر دوبارہ امام علیہ السلام کے حق میں سازگار ہو سکتے ہیں لیکن ابن زیاد بھی اس بات سے آگاہ تھا کہ اگر امام علیہ السلام آزادانہ کوفہ پہنچ گئے تو حالات پلٹ جائیں گے اسی لیے اس نے داخلے کے تمام راستے بند کر دیے اور حر کو امام عالی مقام کا راستہ روک کر گرفتار کرکے کوفہ لانے کا حکم دیا۔ جب امام علیہ السلام کوفہ سے بالکل مایوس ہو گئے تو وہیں سے واپس جانے کا ارادہ کیا اور پہلے حر اور پھر ابن سعد سے واپس جانے کا مطالبہ کیا جسے منظور نہ کیا گیا اور امام علیہ السلام کربلا پہنچ گئے اور شہید کر دیے گئے۔

ان تاریخی واقعات کے مقابلے میں ایسے واقعات بھی بعض کتب میں درج ہیں جس میں امام حسین علیہ السلام واضح طور پر یہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ شہادت کے مقصد سے کربلا کی طرف جارہے ہیں۔ جیسے مدینہ سے ہجرت کرنے سے پہلے مرقد پیامبر ص پر حاضری اور خواب میں اپنی شہادت سے آگاہ ہونا اور پھر مکہ سے کوفہ جاتے ہوئے خطبہ جس میں اپنے انجام (شہادت کی خبر دینا)[39] اور اس کے علاوہ بعض دوسرے واقعات جو بعض کتب میں مذکور ہیں۔[40] پس مجموعی طور پر واقعہ کربلا کی تاریخ کا تجزیہ کرنے کے لئے جو مواد فراہم ہے ہم ان روایات و واقعات کو تین گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ پہلی قسم ان روایات کی ہے جن میں شہادت کی پیشگوئی اجمال یا تفصیل کی صورت میں موجود ہے۔
۲۔ دوسری قسم ان واقعہ کربلا کی تاریخ کے ان واقعات پر مشتمل ہے جن میں امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت کی خبر دیتے ہیں اور شہادت کو مشئیت الٰہی قرار دیتے ہوئے شہادت کے لئے کربلا جانے کو اپنا مقصد و مقصود قرار بتلاتے ہیں۔
۳۔ تیسری قسم ان تاریخی واقعات پر مشتمل ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام کو اپنے انجام کا علم نہ تھا اور انہیں نے ہر مقام اور مرحلہ پر ظاہری حالات کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے حالات سازگار دیکھ کر کوفہ جاکر حکومت ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا لیکن اہل کوفہ نے بے وفائی کی اور امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیا یہ دیکھ کر امام علیہ السلام نے واپس مدینہ جانے کا ارادہ کیا لیکن امام علیہ السلام کو اس کی اجازت نہ دی گئی اور امام علیہ السلام کو درمیانی راستہ انتخاب کرنا پڑا اور اس طرح کربلا میں پہنچے جہاں انہیں شہید کر دیا گیا۔
ان تین اقسام کی روایات و واقعات سے مختلف و متضاد نتائج نکلتے ہیں اور مختلف تجزیہ و تحلیل سامنے آتا ہے۔ پہلی دو اقسام سے نتیجہ نکلتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت پہلے سے طے شدہ تھی اور یہ مشئیت الٰہی کے نتیجے میں واقع ہوئی اور امام علیہ السلام کا مقصد بھی مشئیت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے جام شہادت نوش کرنا تھا۔ اس تجزیہ سے جبر لازم آتا ہے البتہ اہلسنت کے ہاں بالخصوص مکاتب فکر کے نزدیک تو جبر درست ہے لہٰذا اس تجزیہ میں کوئی اشکال نہیں جیسا کہ محدث دہلوی نے کتاب سر الشاد تین لکھی۔ البتہ امامیہ مسلک جبر کو درست نہیں مانتے لیکن اس کے باوجود شہادت کو مشئیت الٰہی قرار دیتے ہیں لیکن اسے جبر سے خارج کرکے ابتلاء و آزمائش وغیرہ جیسی توجیہ و تاویل کرتے ہیں۔
تیسری قسم کی روایات اور تاریخی واقعات کی بنا پر سابقہ تجزیہ کے بالکل برعکس نتیجہ سامنے آتا ہے کہ امام علیہ السلام قطع نظر علم غیب کے، ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ہر مرحلہ پر اپنی حکمت عملی مرتب کرتے ہیں اور کوفہ جانا چاہتے ہیں لیکن ناگہانی واقعات کے باعث حالات کے بدلنے سے کوفہ کے بجائے کربلا جانا پڑ جاتا ہے اور وہاں بھی امام علیہ السلام کی ہر کوشش ہوتی ہے یزید کی بیعت کسی بھی صورت میں نہ کی جائے اور اپنی اور تمام یار و انصار کی جان بھی بچ جائے لیکن جب یزید کی بیعت اور موت کے انتخاب کے دوراہے پر پہنچتے ہیں تو آبرومندانہ شہادت کا انتخاب کرتے ہیں۔
موجودہ دور سے پہلے بہت کم علماء اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہوئے حتیٰ علماء امامیہ میں سے کم افراد نے اس کی طرف توجہ کی۔ شیخ مفیدؒ، شیخ طوسیؒ اور سید مرتضیٰؒ اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس تاریخ و کلام کے

تعارض کو مختصر طور پر بیان کیا اور راہ حل پیش کیا[41] لیکن ان کے بعد کسی نے بھی اس مسئلہ کو پیش نہیں کیا۔ تقریبا نصف صدی پہلے امامیہ کے ہاں یہ مسئلہ بہت نمایاں صورت میں سامنے آیا اور اس نے علماء امامیہ کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے لا کھڑا کیا۔ موجودہ دور میں سب سے پہلے نعمت اللہ صالحہ نجف آبادی نے تفصیل سے اس مسئلہ کو بیان کیا اور علم غیب کا تقریبا انکار کرتے ہوئے واقعہ کربلا کا تجزیہ تاریخی واقعات کی روشنی میں پیش کیا اور علماء میں سے کچھ نے ان کی تائید کی اور اکثر ان کے شدید مخالف ہوگئے اور ان کے جواب میں متعدد کتابیں لکھیں اور اس طرح ایران کی تاریخ میں شہید جاوید ایک جنجالی ترین کتاب بن گئی اور اس کے نقد میں سب سے زیادہ کتب لکھی گئیں۔

ایران میں ہم اس نئے رجحان کو اس تحریک کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں جو اصلاحی حرکت گذشتہ قاجاری دور حکومت کے آخر میں شروع واقعہ کربلا کی تاریخ نویسی بھی اس نئے رجحان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اگرچہ اس نئے رجحان کی قدامت پسند حلقہ کی جانب سے شدید مخالفت بھی ہوئی کیونکہ قدامت پرست موجودہ صورت حال، اقدار اور رسومات کی مخالفت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور روضہ خوانی ان کی روایت کا ایک اہم حصہ تھی اس لیے روضہ خوانی کی مجالس کی ضرورت کے پیش نظر یہ احساساتی پہلو کی حمایت کی گئی جس کی وجہ سے یہ احساساتی پہلو بھی نمایاں صورت میں اس نئی تحقیقی رجحان کا رقیب رہا اور دونوں کا سفر ایک دوسرے کے متوازی خطوط میں جاری رہا۔ البتہ ان دونوں کے بیچ ایک طبقہ بھی وجود میں آیا جن کی کوشش یہ تھی ان دونوں کے بیچ درمیانی راستہ اختیار کیا جائے۔

تحریر ہذا میں اس نصف صدی کے عرصے میں تاریخ اور علم کلام کی باہمی کشمکش اور اس کے نتیجہ میں سامنے آنے والی تحقیقات، محققین کے علمی نقطہ نظر اور انہی رجحانات اور ان کی خصوصیات کے بارے میں نہایت اختصار کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

۶۔۲۔ تعصب پر مبنی تحریریں

برصغیر میں عصر حاضر میں جس چیز سے عاشورانویسی کے جدید رجحان کو تقویت ملی ان میں سے ایک اہم عامل یہ بھی تھا کہ بعض افراد نے تحقیق کے نام پر ایسی تحریریں شائع کیں جو تعصب پر مبنی تھی جن میں تمام تر تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر یزید اور بنی امیہ کا دفاع کرنے کی کوشش کی گئی اور امام علیہ السلام کو قصوروار قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ برصغیر میں سب سے پہلے مرزا حیرت دہلوی نے ۱۹۱۳ میں کتاب شہادت لکھی اور اس میں مذکورہ نظریہ کو پیش کیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۹ میں محمود احمد عباسی نے کتاب خلافت معاویہ ویزید لکھ کر تاریخی

واقعات میں مغالطے اور مبالغے سے اس نظریہ کا پرچار کیا۔[42] اس کتاب سے بعض سادہ لوح افراد متاثر ضرور ہوئے لیکن تمام مکاتب فکر بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور شیعہ نے اس کتاب پر شدید تنقید کرتے ہوئے اس کے جواب میں متعدد تحقیقی کتابیں لکھیں ان میں سر فہرست قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب علی و حسین، مشتاق احمد نظامی کی کتاب کربلا کی مسافر، سید علی مطہر نقوی امروہی کی کتاب محمود احمد عباسی عقائد و نظریات کہ آئینے میں اور اس کے علاوہ اور متعدد افراد نے اس کتاب کے جواب میں تحقیقی کتب اور مقالات تحریر کیے۔

۳۔ جدید عاشورہ نویسی کے نئے نقطہ نظر اور رجحانات

جدید عاشورہ نویسی میں تین غالب نقطہ نظر اور رجحان پائے جاتے ہیں۔ البتہ یہ تینوں ایک دوسرے سے کاملا متمایز اور جدا نہیں اور نہ ہی ان کو باآسانی ایک دوسرے سے تشخیص دے کر جدا کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ بعض اشخاص فقط ایک ہی نقطہ نظر کے حامل ہوں اور ان میں ایک ہی رجحان پایا جائے اور بعض میں دو اور بعض میں تینوں رجحان مختلف تناسب سے پائے جاتے ہوں۔ لیکن ہمارے نزدیک غلبہ معیار ہے یعنی تحریر ہذا میں ہر مولف کو اس کے نطقہ نظر کے غلبہ کے مطابق میں اس کے موافق گروہ میں شمار کرکے فقط اہم ترین کتب کو اختصار کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے۔

۳۔۱۔ احساساتی نطقہ نظر

جسے ہم احساساتی رجحان سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں اس نقطہ نظر رکھنے والا وہ محافظہ کار اور کلامی رویہ رکھنے والا دینی طبقہ ہے جو کسی بھی نئے سوال اور موجودہ وضعیت کی مخالفت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ لوگ واقعہ کربلا جو عوام میں شہرت پا چکا اور محرم کے جو مراسم موجود ہیں ان کو درست اور مقدس مانتے ہوئے اس پر تنقید اور سوال کو بے جا مانتے ہوئے شدت کے ساتھ جدید تحقیقاتی اسلوب کے مخالف ہیں۔ یہ کوئی جدید نقطہ نظر نہیں بلکہ اسی رجحان کا تسلسل ہے جو گذشتہ چند صدیوں سے چلا آرہا ہے۔

۳۔۲۔ کلامی تجزیاتی نقطہ نظر

جسے ہم کلامی رجحان سے تعبیر کرتے ہیں یہ کلامی رویہ رکھنے والے افراد پر مشتمل ہے۔ جو ہر مسئلہ کو کلامی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں جن کے مدّ نظر اپنے مسلک کی حقانیت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک حد تک محافظہ کار ہیں لیکن یہ سوال اور جدید اسلوب کے مخالف نہیں بلکہ یہ اپنے کلامی مدعا کو توجیہ و تاویل کے ساتھ اسی جدید اسلوب سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳۔۳۔ تاریخی تجزیاتی نقطہ نظر

اسے ہم تاریخی اور علمی اسلوب بھی کہہ سکتے ہیں اس نقطہ نظر کے حامل افراد سابقہ دین اور دینی روایات من جملہ تاریخی مسائل میں نظر ثانی اور تجدید نظر کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک جو چیز اہمیت کی حامل ہے وہ واقعیت ہے چاہے وہ ان کے دینی مسلک کے موافق ہو یا مخالف یہ واقعیت کو جاننا چاہتے ہیں اور اس کی بنا پر حقانیت کا فیصلہ کرتے ہیں برخلاف متکلمین ۔اس لیے اس گروہ کے افراد کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ تاریخی منابع و مصادر اور تاریخی روایات کا تنقیدی جائزہ لے کر واقعیت کو کشف کیا جائے اور اس کا جو بھی نتیجہ برآمد ہو اس کھلے دل سے قبول کرنا چاہیے۔

۴۔ جدید رجحانات کا آغاز وارتقاء

اب ہم ان پچاس سالوں کو پانچ دہائیوں میں تقسیم کرکے ہر دہائی میں لکھی جانے والی اہم ترین کتب پر مختصر تبصرہ کریں گے۔

۱۔۴ پہلی دہائی ۱۳۴۰تا۱۳۵۰ (1961تا1970)

یہ دہائی عاشورا نویسی میں ایک تاریخی اور اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے یہیں سے جدید اسلوب اور روش سے تجزیاتی تاریخ کا آغاز ہوا۔ اس سے قبل جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض افراد واقعہ کربلا کی تاریخ میں موجود نقائص کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے اپنی بساط کے مطابق اس کی اصلاح کرنے کی کوشش بھی کی لیکن یہ ایک طرف تو یہ تنقیدی اور تجزیاتی روش سے خالی تھی اور دوسری طرف یہ کوشش انفرادی تھی اور سماج کی جانب سے اس کو حمایت حاصل نہ ہو سکی اس لیے زیادہ ثمر بخش اور تاثیر گذار ثابت نہ ہو سکی لیکن اب کی بار اس کا آغاز ہی معاشرے کے جدید علمی رجحان اور اس واقعہ کے علل و اسباب اور نتائج کے بارے میں اٹھنے والے سوالات سے ہوا اسی لیے اس کے نتیجہ میں شروع ہونے والی حرکت ایک اجتماعی رجحان کی صورت اختیار کرتی گئی۔

برصغیر میں مدتوں پہلے ہی تجزیاتی تاریخ کا آغاز ہو چکا تھا اور مولانا مودودی، ابوالکلام آزاد وغیرہ نے اس موضوع پر تحریریں لکھیں یہ کتب ۱۹۶۰ سے پہلے تالیف کی گئیں۔ پاکستان میں ۱۹۵۹ میں محمود عباسی نے کتاب خلافت معاویہ و یزید لکھی اور پھر ۱۹۶۰ کے بعد تحقیقی مزید فی خلافت معاویہ ویزید لکھی کہ جس کے رد عمل میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور اس طرح تحقیقی رجحان کو تقویت ملی[43] اس کے علاوہ اصلاحی نقطہ نظر سے سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین لکھی گئی جس میں کوشش کی گئی مجالس میں مصائب کے طور پر پڑھی جانے والی روایات کی اصلاح کی جائے اور ایسی روایات پیش کی جائیں جو معتبر ہوں اس لیے یہ کوشش کی گئی کہ معتبر منابع سے استفادہ کیا جائے اور مشہور اور غیر معتبر

واقعات پر تنقید بھی کی گئی۔[44] ایران میں مذکورہ دہائی میں جو پہلی کتاب لکھی گئی وہ ڈاکٹر ابراہیم آیتی (م 1343 ش) کی کتاب بررسی تاریخ عاشورا ہے ابراہیم آیتی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کی تعلیم بھی حاصل کی اسی لیے وہ سنتی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیمی روش سے بھی آشنا تھے اور انہوں نے سیرت و تاریخ پر تحقیقاتی کتابیں بھی لکھیں[45] اور قدیم و معاصر مورخین کی کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔[46] بررسی تاریخ عاشورا کے عنوان سے ان کی کتاب جو درحقیقت ان کی تقریروں کا مجموعہ ہے لیکن یہ تقریریں تحقیقی مواد اور واقعہ کربلا کی تجزیاتی تاریخ پر مشتمل تھی اور کوشش کی گئی ہے کہ غیر جانبدار رہا جائے۔[47] اگرچہ اس زمانے تک تاریخ اور کلام کی کشمکش شروع نہیں ہوئی اسی لیے ان کی کتاب میں اس مسئلہ پر کسی قسم کی بحث نظر نہیں آتی بہر حال یہیں سے اسی جدید رجحان کا آغاز ہوتا ہے۔

آیتی کے ہمزمان سید عبدالکریم ہاشمی نژاد نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جس کا عنوان درسی کہ حسین علیہ السلام بہ انسانہا آموخت تھا۔ ہاشمی نژاد بھی آیتی کی مانند دینی اور حکومتی نظام تعلیم کے پروردہ اور متحرک سیاسی کارکن بھی تھے اس کتاب میں عاشورا کے عوامل و اسباب اور اس واقعہ کے پس منظر اور امام حسین علیہ السلام کے ہدف کے بارے میں مفصل بحث کی۔[48] چونکہ اس وقت تک تاریخ اور علم کلام کا تضاد ابھی ظاہر نہ ہوا تھا اس لیے اس مسئلہ کو اس کتاب میں زیر بحث نہیں لایا گیا البتہ مولف نے اپنی تحقیق میں علم امام کو اصول موضوعہ قرار دے کر اسی مفروضہ پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی اور تجزیاتی تاریخ تالیف کی اور اختلاف اور تعارض کی طرف متوجہ ضرور ہوئے لیکن یہ سوچ بنا ہی کہ یہ تاریخ اور کلام میں متنازع مسئلہ ہے اختلاف کی صورت میں توجیہ اور تاویل کرتے نظر آتے ہیں۔

چالیس کی دہائی کے آخر سالوں میں نعمت اللہ صالحہ نجف آبادی، شہید جاوید نامی کتاب تحریر کرتے ہیں۔ مولف اگرچہ فقط دینی مدارس کے پروردہ تھے اور علمی شخصیت کے حامل تھے لیکن تنقیدی ذہنیت کے حامل تھے اور اسی تنقیدی نگاہ سے انہوں نے سات سال کی تحقیق کے نتیجہ میں یہ واقعہ کربلا کی تجزیاتی تاریخ لکھی تالیف کی۔[49] اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق کی ابتدا سوال سے کی اور آغاز ہی میں تاریخ اور کلام میں عدم سازگاری کو برجستہ کیا اور اس بارے میں درپیش مسائل کو بھی بیان کیا اور واضح انداز میں یہ اعلان کیا کہ ان کا موضوع تاریخی ہے لہٰذا وہ علم امام کے کلامی مسئلے کی دخالت کے بغیر ہی قیام امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کیے جانے سوالوں کے جواب تلاش کریں گے۔ بلکہ انہوں نے علم امام کی بحث کو زیر بحث لا کر اس کی نفی کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے ہدف کے بارے میں تاریخی واقعات کی بنا پر اپنی رای پیش کی کہ امام حسین علیہ السلام کو

اپنے انجام کا علم نہ تھا اور تاریخی واقعات کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ امام حسین علیہ السلام کا ہدف حکومت کی تشکیل تھی نہ کہ شہادت اور اس کے لیے حالات بھی سازگار تھے لہٰذا امام حسین علیہ السلام تشکیل حکومت کے قصد سے اہل کوفہ کی دعوت اور حمایت و نصرت کے وعدہ کی بنا پر کوفہ کی جانب روانہ ہوئے لیکن کوفہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہو کہ کوفہ کے لوگ یزید کے گورنر عبیداللہ ابن زیاد کے خوف سے اپنے وعدے سے منصرف ہو چکے ہیں اور پھر امام علیہ السلام خود کو ابن زیاد کے سامنے سر تسلیم خم کریااور موت کے دوراہے پر دیکھ کر عزت کی موت کو قبول کرتے ہوئے کربلامیں شہید ہو جاتے ہیں۔[50]

مولف اپنے اس تجزیہ و تحلیل کی راہ میں ان روایات و واقعات کو رکاوٹ خیال کرتے ہیں جن میں امام حسین علیہ السلام کا اپنی شہادت کے بارے میں یہ واضح اعلان ملتا ہے کہ وہ شہید ہونے کربلا جارہے ہیں نہ کہ کوفہ۔ مولف ایسے تمام واقعات کو ایک ایک کرکے تفصیل سے تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ان رویات و واقعات کا انکار کرتے ہیں اسی وجہ سے ان کی شدید مخالفت کی جاتی ہے۔ اور دینی محافل میں یہ مسئلہ بہت برجستہ ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور بحث و مناقشہ کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔[51] اور اس کتاب کے رد میں بیس سے زیادہ کتب اور مقالات لکھے جاتے ہیں[52] اور اس کے علاوہ بعد والی تمام تالیفات میں اس کتاب کے نظریات و اقتباسات کو مورد بحث و تنقید قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور میں امام خمینیؒ کی قیادت میں ایران میں حکومت کے خلاف سیاسی جدوجہد جاری تھی اور دینی طبقہ اس میں بہت نمایاں تھا۔ اس کتاب کی تالیف اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والے شدید اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت وقت بھی علماء کے باہمی اتحاد کو ختم کرکے ان کی سیاسی تحریک کو کمزور کرنے کے لئے اس مسئلہ کو خوب بڑھاوا دیتی ہے۔ بہر حال سلبی روش کی حامل یہ کتاب اپنی مثبت و منفی تاثیر کے ہمراہ سب سے موثر کتاب کہلانے کے قابل ہے۔

شہید جاوید کے شائع ہونے کے بعد علماء جن میں سے اکثر سنتی اور محافظہ کار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس کتاب کے خلاف اظہار نظر کو اپنا مذہبی فریضہ جانتے ہوئے زبانی یا تحریری صورت میں اس کتاب کو جواب دیتے ہیں حتی بعض اس کتاب کے مولف کی تکفیر کرتے ہوئے اسے دشمن کا ایجنٹ تک قرار دیتے ہیں۔[53] جوابات میں لکھی جانے والی اکثر کتب علمی روش اور استدلال سے خالی اور اس کی جگہ ان تحریروں میں احساسات و جذبات سے مغلوب ہو کر اور اخلاق کا دامن چھوڑ کر اس کتاب کے مولف کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ فقط چند کتب علمی اعتبار کی حامل ہیں باقی سب علمی اور اخلاقی لحاظ سے بہت نچلے درجے میں ہیں۔ حتی بعض علماء کا ردعمل اتنا شدید تھا کہ درجہ اول کے علماء کی جانب سے اس کتاب کے مولف کو رقم کی پیش کش کی جاتی ہے کہ وہ پیسے لے کر توبہ کرے

اور اپنی غلطی کا اعتراف اور اعلان بھی کرے۔[54] لیکن مولف اپنی رای پر باقی رہتے ہوئے ان تمام جوابات کے جواب میں عصای موسی نامی کتاب تالیف کرکے اپنے مخالفیں کو جواب دیتے ہوئے اپنا دفاع کرتا ہے۔

شہید جاوید کے خلاف لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے پہلے اور علمی استدلال کے اعتبار سے سب سے مہم کتاب شہید آگاہ ہے جس کے مولف آیت اللہ لطف اللہ صافہ گلپا ئگانی ہیں اور یہ کتاب شہید جاوید کے شائع ہونے کے صرف چھ ماہ کے عرصے میں لکھی گئی اور اس میں ایک ایک کرکے شہید جاوید کے نظریات واستدلال پر تنقید کی گئی ہے اور علم امام علیہ السلام کو بنیاد بنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے انجام سے بخوبی آگاہ تھے اور شہید ہونے کی غرض سے ہی کربلا کی جانب روانہ ہوئے اور امام علیہ السلام علم غیب ہی کی بنا پر جانتے تھے کہ کوفہ والے بے وفائی کریں گے لہٰذا آغاز ہی سے شہادت کے مقصد سے روانہ ہوئے۔ مولف اس کتاب میں ان واقعات کو پورے شد و مد سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کو شہید جاوید میں تنقیدن کا نشانہ بنا کر انکار کیا گیا تھا اور ان کے مقابل تاریخی واقعات کی توجیہ و تاویل کرکے علم غیب پر مبنی روایات کے ساتھ سازگار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[55]

اس مجادلہ کے ماحول میں بعض علماء طرفین میں سے کسی ایک طرف اور نظریہ کا ساتھ دینے کے بجائے یہ کوشش کرتے ہیں کہ تاریخ اور کلام کی باہمی کشمکش کو رفع کیا جائے اور ایک ایسا نظریہ پیش کیا جائے جس سے اس اختلاف کو ختم یا کم کیا جاسکے لہٰذا اس دہائی میں شہید جاوید کے نقد میں لکھی جانے والی کتابوں کے ساتھ ساتھ ایسی تحریریں بھی شامل ہو جاتی ہیں جو اس مسئلہ کے حل کو پیش کرتی نظر آتی ہیں ان میں سے ایک تحریر علامہ محمد حسین طباطبائی کی مختصر رسالہ کی صورت میں علم امام کے عنوان سے ہے۔ اس تحریر میں جو در حقیقت شہید جاوید کے تناظر میں کیے جانے والے مخاطبین کے سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے۔ اس میں علم امام کے مسئلہ پر بحث کرکے اس اشکال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اپنے انجام یعنی شہادت کے علم کا مطلب جانتے بوجھتے ہوئے خود کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں اور پھر اس علم امام کے تناظر میں مختصر طور پر واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[56]

خلاصہ کلام یہ کہ اس دہائی میں ہمیں تاریخی اور کلامی رجحان کا آپس میں شدید ٹکراو دکھائی دیتا ہے اور جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں تاریخی، کلامی اور احساساتی تین قسم کے رجحان پائے جاتے ہیں ان کتابوں کا مختصر تعارف ذیل میں دیے گئے جدول میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کتابوں میں سے شہید جاوید کے بعد لکھی جانے والی تمام کتب اس کے جواب میں تالیف کی گئیں۔

	مولف	عنوان	پہلی بار شائع ہونے کی شمسی تاریخ	تاریخ قمری	رجحان و نقطہ نظر
1.	آیتی، محمد ابراہیم	بررسی تاریخ نہضت حسینی	سخنرانی1342و1343ش	84،1383 ق).	تاریخی تجزیاتی
2.	ہاشمی نژاد عبدالکریم،	درسی کہ حسینؑ بہ انسانہا آموخت	نگارش 1347ش.	1388ق	کلامی و تجزیاتی
1.	صافی	پرتوی از عظمت امام حسینؑ	1355ش	حدود 1396ق	کلامی تجزیاتی
3.	صالحہ، نجف آبادی	شہید جاوید	چ1349ش	1390ق	تاریخی تجزیاتی
4.	عطائی خراسانی	افسانہ کتاب (ردیہ بر شہید جاوید)	چ1350ش	1391ق	احساساتی و کلامی
5.	صافی، لطف اللہ	شہید آگاہ	1350ش.	1391ق	کلامی تجزیاتی
6.	محمد حسین طباطبائی	رسالہ علم امام	۱۳۵۰ش	۱۳۹۱ق	کلامی
7.	زاہدی قمی	مقصد الحسین	چ1350ش	1391ق	احساساتی کلامی
8.	حسین اشعری و ...	یک بررسی مختصر دربارہ قیام شہید جاوید	چ1350ش.	1391ق	احساساتی کلامی
9.	شیخ علی کاظمی	راہ سوم در موضوع قیام مقدس شہید جاوید	1350ش	1391ق.	احساساتی کلامی
10.	اشتہاردی، علی پناہ	کتاب ہفت سالہ چرا صدا درآورد	1350ش	1391ق	احساساتی کلامی
11.	انصاری قمی	دفاع از حسین شہید	1350ش	1391ق	احساساتی کلامی
12.	محمد مہدی مرتضوی قمی	جواب او از کتاب او	1350ش.	1391ق	احساساتی کلامی
13.	فہری زنجانی	سیری در سر شہادت سالار شہیدان	چ1350ش.	1392ق	احساساتی کلامی
14.	محمد حسین نجفی	سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین ع	۱۹۶۷عیسوی		کلامی تاریخی

۲۔۴۔ دوسری دہائی ۱۳۵۱ سے ۱۳۶۰ (1971 تا 1980)

پاکستان اور ہندوستان میں ایران میں اس دہائی کے آغاز میں جو کتابیں لکھی گئیں وہ تمام کی تمام شہید جاوید کے جواب میں لکھی جاتی ہیں لیکن پھر بتدریج اس شدت میں کمی آتی گئی اس کی ایک وجہ ایسی شخصیات جنہوں نے درمیانی راستہ انتخاب کرتے ہوئے اپنے تئیں اس مسئلہ کا حل پیش کیا جس کی ایک مثال علامہ طباطبائیؒ اور اس کے بعد شہید مطہریؒ ہیں۔ شہید مطہریؒ نے پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں اپنی تقریر و تحریر میں اس موضوع کو بیان کیا۔ شہید مطہریؒ ان افراد میں سے ہیں جو دینی مراکز سے تحصیل یافتہ ہیں لیکن اپنی قابلیت کے بل بوتے پر یونیورسٹیوں میں تدریس کرنے لگے اور وہاں اپنے علم و فضل کا لوہا منوایا۔ ان کی کتاب حماسہ حسینی در حقیقت ان کی تقریروں کا مجموعہ ہے جو ان دو دہائیوں میں کی گئیں اور بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ اس کتاب میں واقعہ کربلا سے متعلق بہت سارے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے جس میں سے واقعہ کربلا کے عوامل اور قیام امام حسین علیہ السلام کی ماہیت اور واقعہ کربلا کی تحلیل قابل ذکر ہیں۔ شہید مطہریؒ اس مجادلہ میں معتدل موقف اپناتے ہوئے شہید جاوید کے مندرجات پر علمی تنقید کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نظریہ تشکیل حکومت کو قبول کرتے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ شہید مطہریؒ علم امام علیہ السلام کے مسئلہ پر تنقید کیے بنا ہی بعض مطالب پر تنقید کرتے ہیں اور اس اختلاف کا راہ حل یہ پیش کرتے ہیں کہ تاریخی واقعات کی بنا پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کا مقصد حکومت کی تشکیل ہی تھی اور جب تک اس کے اسباب و وسائل بھی فراہم تھے امام حسین علیہ السلام کا مقصد حکومت کی تشکیل تھی اور جب یہ یقین ہو گیا کہ اب کوفہ والے اپنے وعدے سے پھر چکے ہیں تو تشکیل حکومت کا کوئی امکان نہیں تو اس وقت امام علیہ السلام نے اپنا منصوبہ تبدیل کر لیا اور کوشش کی کہ اس انداز میں جام شہادت نوش کریں کہ جس کی تاثیر بہت زیادہ ہو اس ہدف کی تکمیل کے لئے امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید ہو گئے۔

ساٹھ ہی کی دہائی میں سید جعفر شہیدی نے قیام امام حسین علیہ السلام نامی کتاب تحریر کی۔ شہیدی حوزہ نجف کے فارغ التحصیل اور درجہ اجتہاد پر فائز برجستہ علمی شخصیت تھے وہ حکومتی اداروں میں تدریس کی وجہ سے جدید نظام تعلیم اور اسلوب سے بھی آشنا تھے اور اس کے ساتھ مصر اور دوسرے ممالک میں سفر کی وجہ سے وہاں کے دانشوروں سے ملاقات اور رابطے کی وجہ سے آزادانہ افکار کے حامل تھے۔ مصری ادیب اور مورخ طہ حسین کے ساتھ ملاقات اور ارتباط کی تاثیر ان کی تحریروں میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ کربلا کی تاریخ پر ان کی تحقیق خود ان کے بقول پچاس سال کے عرصے پر محیط ہے یعنی صدی کے آغاز ہی سے انہوں نے اس موضوع پر کام

شروع کر دیا تھا لیکن اسے شائع پچاس سال کے بعد کیا اس طرح وہ ان پچاس سالوں میں ہونے والی تبدیلی کا مشاہدہ کرتے رہے اور یقیناً دوسروں کی تالیفات سے استفادہ کیا ہوگا۔ اس لیے ان کی تحریر میں اشارے کنائے سے شہید جاوید کے بعض نظریات اور مطالب پر علمی اور عمدہ انداز میں اس طرح غیر محسوس طریقے سے تنقید کی گئی ہے جس سے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کتاب میں شہید جاوید کا نقد کیا گیا ہے اور تشکیل حکومت کے نظریہ کی نفی کی گئی ہے۔ اس کتاب میں واقعہ کربلا کے علل و عوامل کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور اس کے لیے اس واقعہ کے پس منظر اور اس زمانے کے حالات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس کتاب کی بنیاد طہ حسین مصری کے اسلوب اور تجزیہ پر رکھی گئی ہے۔[57]

پس اس مدت میں بھی شہید جاوید کی تاثیر کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اور تاریخی اور کلامی نقطہ نظر ایک دوسرے کے بالمقابل دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سابقہ قدیم اسلوب کے مطابق احساساتی نقطہ نظر سے بھی کتابیں تحریر کی گئیں۔

	مولف	عنوان	پہلی بار شائع ہونے کی شمسی تاریخ	تاریخ قمری	رجحان و نقطہ نظر
1.	صدیقین اصفہانی	حسین و پذیرش دعوت	1351ش	1393ق	احساساتی کلامی
2.	قاضی طباطبائی	اولین اربعین حسینی	1352ش	1393ق	احساساتی کلامی
3.	شریعتی	حسین وارث آدم	س (1347-1355)		احساساتی
4.	صالحہ،	عصای موسی	1355ش	1396ق	کلامی
5.	مطہری، مرتضی	حماسہ حسینی	سخنرانی 1347-1356ش (1388-1397ق)		تاریخی تجزیاتی
6.	شہیدی، سید جعفر	پس از پنجاہ سال، نگارش 1357ش	1358ش	1399ق	تاریخی تجزیاتی
7.	علی ربانی خلخالی	عزاداری از دیدگاہ مرجعیت شیعہ	1358ش	1399ق	احساساتی

8.	میر جہانی طباطبایی	البکاء للحسین ع	پایان نگارش 1400ق حدود 1359ش	بی تاوبی جا	احساساتی

۳۔۴۔ تیسری دہائی 1360 سے ۱۳۷۰ (۱۹۸۱ تا ۱۹۹۰)

پاکستان اور ہندوستان میں اس عرصے میں زیادہ توجہ عربی اور فارسی میں لکھی گئی کتابوں کے تراجم کی جانب ہو جاتی ہے اور کوئی قابل ذکر کتاب تالیف نہیں کی گئی اور ایران میں بھی اس عرصے میں کوئی قابل ذکر تالیف نہیں کی گئی اس کی وجہ بظاہر یہ نظر آتی ہے کہ ایک طرف ایران میں اسلامی انقلاب آنے سے بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اس کے کچھ ہی عرصے بعد ایران پر جو جنگ مسلط کی گئی جو آٹھ سال تک جاری رہی اس جنگ نے تمام شعبہ جات کو شدید متاثر کیا من جملہ علمی ماحول بھی اس جنگ سے شدید متاثر ہوا۔

۴۔۴۔ چوتھی دہائی ۱۳۷۰ تا ۱۳۸۰ (1991 تا 2001)

پاکستان میں اس دہائی میں شرف الدین موسوی تحقیقی اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے تفسیر سیاسی قیام امام حسین علیہ السلام کے عنوان سے کتاب تالیف کرتے ہیں بظاہر یہی لگتا ہے کہ صالحہ کے نظریات سے متاثر ہو کر اس کتاب کو تالیف کیا گیا۔ البتہ اس کے علاوہ اصلاحی نقطہ نظر سے بھی انہوں نے متعدد کتابیں تالیف کی۔ کہا جاسکتا ہے کہ مجاہد اعظم اور شہید انسانیت کے بعد ایک طویل مدت کے بعد تحقیقی اسلوب کی حامل کتاب تالیف کی گئی۔

ایران میں اس دہائی میں جب کے جنگ تمام ہو چکی اور اسلامی انقلاب کے نتیجہ میں اسلامی حکومت بر سر اقتدار آ گئی اور ایک آزاد علمی ماحول وجود میں آیا لہٰذا ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک طرف تحقیقاتی جرائد میں اضافہ ہونا شروع ہوا اور دوسری جانب علماء و دانشوروں کو آزادانہ علمی کام کرنے کا موقعہ ملا اور اس کے ساتھ ساتھ جو سب سے بڑی تبدیلی رونما ہوئی وہ یہ تھی کہ دینی اور حکومتی مراکز ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب آ گئے حتی بعض جگہ یہ دونوں مراکز ایک دوسرے میں ضم ہو گئے۔

اس دور میں دوبارہ اسی بحث کا پھر سے آغاز ہو گیا جو پچاس کی دہائی میں شروع ہوئی اور ساٹھ کی دہائی میں ایک جنجالی موضوع کی شکل اختیار کر گئی۔ لیکن سابقہ دہائیوں اور اس دہائی میں کی جانے والی بحث میں فرق یہ تھا کہ آغاز میں جو شدت اور شور و غوغا کا طوفان اٹھا اب وہ تھم چکا تھا اور لوگوں کو فریقین کے موقف کو پڑھنے اور سمجھنے کی فرصت میسر آئی اور علمی اور غیر جانبداری سے سابقہ تحقیقات کا جائزہ لیا جانے لگا۔

اس دہائی میں لکھی جانے والی کتابوں میں سے محمد جواد صاحبی کی کتاب مقتل الشمّس اہمیت کی حامل ہے جسے کافی پذیرائی ملی اور اس کے بعد نوے کی دہائی میں اسی اسلوب کے مطابق تفسیر تاریخ سرخ کے عنوان سے ایک اور

کتاب لکھی اس میں مولف نے کوشش کی کہ تاریخ اور کلام کی باہمی کشمکش میں معتدل راستہ اپناتے ہوئے کلامی آراء کے موافق تاریخی واقعات کی توجیہ و تاویل کی جائے اور بڑی حد تک اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ اس کے بعد اور بھی بہت سارے افراد نے اسی اسلوب کو اپنایا جن میں محققین کی ایک جماعت کی باہمی کاوش بھی شامل ہے جو مع الرکب الحسینی نامی کتاب کی صورت میں سامنے آئی۔

اس مرحلہ میں کتب کی تعداد میں قابل توجہ اضافہ نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ محققین کے مقالات بھی کتابی شکل میں شائع ہوتے ہیں اور اس طرح جدید اسلوب کو مزید تقویت ملتی ہے اور ایک اور بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ کہ اس مرحلہ پر بعض افراد اس نقطہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ واقعہ کربلاکے تجزیہ اور تحلیل کے لئے جو چیز بنیادی اہمیت کی حامل ہے وہ قدیم مصادر و منابع اور انکا درجہ اعتبار اور علمی مقام و منزلت ہے کیونکہ تجزیہ روایات کی بنا پر کیا جاتا ہے اور چونکہ روایات مختلف و متضاد ہیں اس لیے مختلف اور متضاد آراء و نظریات سامنے آتے ہیں اور محقق کے لئے جس چیز کا جاننا ضروری ہے وہ کتاب شناسی ہے لہٰذا محمد اسفندیاری نے واقعہ کربلاکے موضوع پر لکھی جانے والی جدید و قدیم سو کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ واقعہ کربلاکے مختلف سیاسی، سماجی، فقہی اور اخلاقی پہلو بھی زیر بحث آنے لگے۔

	مولف	عنوان	پہلی بار شائع ہونے کی شمسی تاریخ	تاریخ قمری	رجحان و نقطہ نظر
.1	صالحہ، نجف آبادی	نگاہی بہ حماسہ حسینی	1372ش	1414ق	تاریخی تجزیاتی
.2	محلاتی، ہاشم رسول	زندگانی امام حسینؑ	1372ش	1414ق	کلامی تجزیاتی
.3	صاجبی، محمد جواد	مقتل الشمّس	1372ش	حدود 1414ش	کلامی تجزیاتی
.4	گروہ	موسوعہ کلمات امام حسینؑ	1373ش	حدود 1415	کلامی
.5	حکیمی	قیام جاودانہ	1373ش،	1415ق	کلامی
.6	ابطحی	الامام الحسینؑ فی احادیث الفریقین	حدود 1373-1377ش.	1414-1418ق	کلامی
.7	محمودی	عبرات المصطفین	حدود 1374ش	1415ق	کلامی
.8	مرعشی	ملحقات الاحقاق	حدود 1373ش	1415ق،	کلامی
.9	جواد محدثی	فرہنگ عاشورا	1374ش	1416ق	احساساتی

.10	گروہ	مقالات خورشید شہادت	-1374 1376ش	-1416 1418ق.	تاریخی تجزیاتی، کلامی
.11	گروہ	مجموعہ مقالات کنگرہ بین المللی امام خمینیؒ	-1374 1376ش	1416، 1418ق.	تاریخی تجزیاتی، کلامی
.12	شفیعی، سید محمد پیرامون	پیرامون حماسہ عاشورا	1374ش	1416ق	کلامی
.13	ضیائی بیگدلی،	حسین انگیزہ قیام امام حسینؑ	1374ش	1416ق	کلامی
.14	فرحی، سید علی	بررسی و تحقیق پیرامون نہضت حسینی	1375ش	1417ق	تاریخی و کلامی
.15	نظری منفرد	قصہ کربلا	1375ش،	1417ق	احساساتی و تاریخی
.16	واحدی جیلانی	الحسینؑ فی القرآن	حدود 1376ش	1418ق	کلامی
.17	دشتی محمد	انگیزہ ہای قیام امام حسینؑ	چ1376ش	1418ق	کلامی تجزیاتی
.18	ہمدانی، حسین عندلیب	خون حسینؑ در رگہای اسلام	1376ش	1418ق.	کلامی و احساساتی
.19	عطاردی، عزیز اللہ،	مسند الامام الشہیدؑ	1376ش	1418ق	کلامی
.20	مجتبی کرمانی	حسینؑ بن علیؑ حماسہ تاریخ	1377ش	1419ق	کلامی
.21	جعفری بافقی	، قیام حسینی	1377ش	1419ق	کلامی
.22	باہنر	گسترش نہضت حسینی	1377ش	1419ق	کلامی
.23	سلیمانی، جواد	امام حسینؑ و جاہلیت نو	1377ش	1419ق	کلامی
.24	مہاجرانی	انقلاب عاشورا	1378ش.	1420ق	تاریخی تجزیاتی
.25	گروہ	تاریخ امام حسینؑ	-1378 1390ش	-1420 1432ق	تاریخی، کلامی
.26	علیزادہ سورکی	نظریہ ہای عاشورا	1378ش.	1420ق	کلامی تجزیاتی
.27	ہیثم شیر کش	بررسی اثرات قیام امام حسینؑ در فقہ	1379ش	1421ق	تجزیاتی

28.	سعیدی، علی	عاشورا (در سپاہ و پیامہا	1379ش	1421ق	کلامی
29.	اسفندیاری، محمد	کتابشناسی تاریخی امام حسینؑ	1380ق	1422ق	تاریخی تجزیاتی
30.	علی شاوی و دیگران	مع الرکب الحسینی	-1379 1382ش	-1421 1424ق	کلامی تجزیاتی
31.	شرف الدین موسوی	تفسیر سیاسی قیام امام حسینؑ	۱۹۹۴عیسوی		تاریخی

۵۔۴۔ پانچویں دہائی ۱۳۸۰تا۱۳۹۰(2002تا2011)

اس دہائی میں سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی اور اگر یہ کہا جائے کہ گذشتہ ۱۳۸۰ سال میں لکھی جانے والی کتب ایک طرف اور ان دس سالوں میں انجام پانے والی تالیفات اور مقالات کی تعداد کئی گناہ زیادہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ یہ تمام کی تمام کتب و مقالات علمی اعتبار سے اعلی درجہ کی ہیں بلکہ ان میں سے قلیل تعداد ہی علمی معیارات پر پوری اترتی ہیں باقی تمام کتب ایک دوسرے کی نقل اور فقط سچے جھوٹے واقعات کا مجموعہ اور تحقیقی و تجزیاتی اسلوب سے فاقد ہیں۔ اسی لیے ذیل میں دیے گئے جدول میں فقط مہم کتب کو ذکر کیا گیا ہے۔

جو کتابیں اس دہائی میں علمی اعبار سے اہمیت کی حامل ہیں ان میں جو بات اہمیت کی حامل ہے وہ یہ کہ علمی ارتقاء کی وجہ سے افہام و تفہیم فضا وجود میں آئی اور شدت پسندی کا خاتمہ ہوا اگرچہ اسی عرصہ میں سابقہ جدال میں حصہ لینے والے افراد میں سے بعض افراد نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس سابقہ انداز کو اپناتے ہوئے دوبارہ اس فضا کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی انہی میں سے ایک کتاب آیت اللہ استادی نے تحریر کی جو در حقیقت ساٹھ کی دہائی میں ان کا شہید جاوید کے خلاف چھپنے والا ایک رسالہ تھا جس کو انہوں نے کئی سال بعد مزید اضافات کے ساتھ دوبارہ ایک کتابی شکل میں شائع کیا اور اس کا نام سر گذشت شہید جاوید رکھا اور کوشش کی کہ شہید جاوید کے منفی اثرات کو گذشتہ دہائیوں میں پیش کیا جائے لیکن اس کتاب کو خاص پذیرائی نہ مل سکی۔

اس دور میں تحقیقاتی تاریخ کا ارتقاء حاصل ہوا اور کئی اہم تحقیقی کتب معرض وجود میں آئیں اور برجستہ افراد نے واقعہ کربلا پر قلم فرسائی کی ان میں سے رسول جعفریان، ڈاکٹر غلام حسن زرگری نژاد اور محمد اسفندیاری ہیں جنہوں نے جدید اسلوب کے ساتھ واقعہ کربلا کی تجزیاتی تاریخ لکھی۔ بالخصوص محمد اسفندیاری نے تاریخ اور کلام کے تعارض سے پیش آنے والے مسئلہ کو تاریخی نقطہ نظر سے حل کیا اور شہید جاوید کے نظریے کا دفاع کیا اگرچہ اپنی تالیف میں شہید جاوید کا ذکر نہیں کیا لیکن اثباتی روش کے ساتھ اسی نظریے کی تائید کی اور اس میں موجود نواقص

کو دور کیا۔ بعض دوسرے افراد نے بھی کوشش کی کہ اس مسئلہ کو حل کیا جائے لیکن انہوں نے سابقہ افراد کی طرف کلامی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کو حل کیا۔

	مولف	عنوان	پہلی بار شائع ہونے کی شمسی تاریخ	تاریخ قمری	رجحان و نقطہ نظر
.1	مصباح یزدی	آذر خشی دیگر از آسمان کربلا	1380ش	1422ق	کلامی تجزیاتی
.2	رسول جعفریان،	تاملی در نہضت عاشورا،	1381ش	1423ق	تاریخی
.3	استادی، محمد رضا	سرگذشت شہید جاوید	1382ش	1424ق	کلامی
.4	صحتی	تحریف شناسی عاشورا	1383ش	1425ق	کلامی
.5	زرگری نژاد،	نہضت امام حسین ع و قیام کربلا	1383ش	1425ق	تاریخی
.6	گروہ	نگاہی نو بہ جریان عاشورا	1383ش	1425ق	مختلف
.7	گروہ پژوہشگاہ علوم و فرہنگ	مجموعہ مقالات نہضت عاشورا	1387ش	1429ق	مختلف
.8	حسینی	نقد منابع عاشورا	1386ش	1428ق	تاریخی
.9	اسفندیاری، محمد	عاشوراشناسی	1387ش	1429ق	تاریخی
.10	حسینی	مقایسہ تطبیقی چہار گزارش	1388ش	1430ق	تاریخی
.11	ری شہری	دانشنامہ امام حسین ع	1388ش	1430ق	کلامی
.12	ہدایت پناہ،	بازتاب تفکر عثمانی در واقعہ کربلا	1388ش	1430ق	کلامی
.13	رنجبر	جریان شناسی تاریخی قرائت رویکردہای عاشورا	1389ش	1431ق	تاریخی
.14	مہدی پیشوائی	تاریخ قیام و مقتل جامع امام حسین ع	1389ش	1431ق	کلامی
.15	گروہ	بازشناسی نہضت عاشورا	1390ش	1432ق	کلامی
.16	علی ملاکاظمی،	گونہ ہای نقد و روش ہای حل تعارض در اخبار عاشورا	1390ش	1432ق	تاریخی

نتیجہ

مذکورہ تالیفات کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ چالیس کی دہائی میں جدید اسلوب کے ساتھ شروع ہونے والی عاشورانویسی آغاز ہوا برصغیر میں جو تحقیقی کتب لکھی گئی ان میں سے سعادۃالدارین اور تفسیر سیاسی قیام امام حسین علیہ السلام اور اہل سنت کی بعض کتب ہیں۔ ایران میں شہید جاوید کی تالیف کے بعد تاریخ اور کلام کی باہمی کشمش ایک جدال کی صورت میں سامنے آئی اور جس کے اثرات بعد میں ہونے والی تحقیقات میں بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔

آغاز میں اگرچہ بہت کم کتابیں اور مقالات لکھے گئے اور جو کتب لکھی بھی گئی ان میں سے زیادہ تر شہید جاوید کے جواب میں لکھی گئیں پھر آئندہ سالوں میں تاریخی تجزیاتی رجحان میں اضافہ ہوااور اس کے ساتھ ہی بعض نے تاریخ اور کلام کے تعارض کو حل کرنے کی کوشش کرنا شروع کر دی۔ اور پھر ایران عراق کی جنگ کی وجہ سے اس عرصے میں یہ سلسلہ متوقف رہنے کے بعد نہ صرف یہ کہ دوبارہ یہ سلسلہ شروع ہوا بلکہ جدید اسلوب کے ساتھ تحقیق کا رجحان مزید تیز ہو تا گیا۔ اور اس میں بھی مولفین کی یہی کوشش رہتی کہ کہ تاریخ و کلام کے نزاع کو ختم کیا جائے لہٰذا بعض تاریخی بحث کرتے ہوئے کلام کی توجیہ اور تاویل کرتے ہیں اور اس کے بالمقابل بعض کلام کی طرف جھکاو کرتے ہوئے تاریخ کی توجیہ و تاویل کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ واقعہ کربلا کے سیاسی، سماجی، اخلاقی اور فقہی پہلو بھی تحقیقات کا محور قرار پاتے ہیں۔ آخری دس سالوں میں یہ تحقیقی رجحان کو مزید ارتقاء حاصل ہوتا ہے اور تحقیقی کتب کی تالیف کے ساتھ جرائد میں شائع ہونے والے مقالات کی تعداد بھی بڑھ کر ہزاروں میں پہنچ جاتی ہے۔ اور آخری دو دہائیوں عاشورانویسی دینی مراکز سے نکل کر یونیورسٹیوں میں پہنچ جاتی ہے اور اس طرح واقعہ کربلا کے کئی پہلو نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

*****

References

1. Aqād, Abbas Mahmood, *Abu al-Shuhada* (Qom: Majma Taqreeb-e Mazahib, 2004), Muqadma Kitab.

عقاد، عباس محمود، *ابوالشہداء* (قم: تقریب مذاہب اسلامی، 2004)، مقدمہ کتاب۔

2. A Group of Writers, *Imam Hussein dar Aieney-e Qalam* (Tehran: Parsa Institute, 1396AD), 10.

اہل قلم کی ایک جماعت، *امام حسین علیہ السلام در آئینہ قلم* (تہران: موسسہ پارسا، 1396ش)، 10۔

3. Sharaf al-Din, Musawi, *Moa'jam Kutub wa Mualifīn-e Hayat wa Qayam-e Imam Hussain a.s* (Karachi: dar-us-Saqafa, 2001), 10,20.

شرف الدین، موسوی، *معجم کتب و مولفین حیات و قیام امام حسین علیہ السلام* (کراچی: دارالثقافہ، 2001)، ۱۰ و ۲۰۔

4. Haider Bakhsh, Haidari, *Gul-e-Maghfirat* (Lahore: Majlis-e-Taraqi-e-Adab, 1965), 13.

حیدر بخش، حیدری، *گل مغفرت* (لاہور: مجلس ترقی ادب 1965ء)، 13، اس کتاب پر ناظر حسن زیدی نے مقدمہ لکھا اور اس کتاب کے بارے میں مختصر تبصرہ کیا۔

5.Ibn-e-Tau's, Ali b. Musa, *Al-Lahūf Ala Qatlil al-Tafūf*, annotated Fars Tabrez (Qum: Dar-ul-Uswa 1414 AH), 87.

ابن طاوس، علی بن موسی، *اللھوف علی قتل الطفوف* تحقیق: فارس تبریزیان (تہران: دار الاسوہ، 1414ق)، 87۔

6- Abd al-Rahman b. Muhammad, Ibn Khaldun, *Moqaama-e Ibn Khaldun*, vol. 1 (Beirut: Dar al-Kitab al-Almiya, 1413AH), 212.

عبدالرحمٰن ابن محمد، ابن خلدون، *مقدمہ تاریخ ابن خلدون*، ج1 (بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1413ھ)، 212۔

7.Abbassi Mahmood Ahmed, *Khilafat-e Muawiyya waYazīd*, (Karachi: Maqtaba-e-Mahmoodiya, 1962.), 47.

محمود احمد عباسی، *خلافت معاویہ و یزید* (کراچی: مکتبہ محمودیہ، 1962)، 47۔

8. Ja'faryān, Rasūl, *Ta'amulli dar Nehza-et Ashura, vol. 2* (Qom: Nashr-e-muariskh, 1386AD), 349.

جعفریان، رسول، *تأملی در نہضت عاشورا (قم: نشر مورخ، 1386ش)، 349*۔

9. Abu Jalīl Razi, Qazvini, *Al-Naqdh* (Qom: Dar Al-Hadith, 1385AD), 385-389.

ابو جلیل رازی، قزوینی، *النقض* (قم: دارالحدیث، 1385ش)، 385-389۔

10.Hasan Zulfiqari, Reviewer of the book of *Raudha al-Shuhada* (Tehran: Moeen Publishers, 1390AD), 37, 58.

حسن ذوالفقاری، مصحح کتاب *روضہ الشہداء* (تہران: انتشارات معین، 1390)، 37، 58۔

11.Abdullah Sāeidi، Shirazi, *Hadīqa al-Salatīn*, ReviewerAli Asghar Bilgarami, (Hyderabad: Islamic Publications Society, sn), 52.

عبداللہ ساعدی، شیرازی، *حدیقہ السلاطین قطب شاہی*، تصحیح علی اصغر بلگرامی (حیدرآباد: اسلامک پبلیکیشنز سوسائٹی، سن ندارد)، 52۔

12. Fazal Ali Fazli, *Karbal Katha* (Patna: Urdu Research Institute, 1965), 17.

فضل علی فضلی، *کربل کتھا* (پٹنہ: ادارہ تحقیقات اردو، 1965)، 17۔

13. Haidri, *Gul-e-maghfirat*, 9.

حیدری، *گل مغفرت*، 9۔

14.Fakhr al-Din, Tarhihi, *Al-Muntakhab* (Berut: Moassasa Alalami, 2003), 4.

فخر الدین، طریحی، *المنتخب* (بیروت: موسسہ اعلمی، 2003)، 4۔

15.Razi b. Nabi, Qazvini, *Tazlam al-Zahra* (Qom: Publishing Sharif Razi, 1375AD), 7.

رضی بن نبی، قزوینی، *تظلم الزہراء*، مقدمہ مصحح کتاب (قم: انتشارات شریف رضی، 1375ش)، 7۔

16. Mahmood Taqi Zadeh, Dawoodi, *Sunnat-e-Azadari Wa Manqabat Khwani Dar Tarīkh-e Shia-e Imamiye* (Qum: Muasisah-e-Shia-Shanasi, 1385AD), 147.

محمود تقی زادہ، داودی، *سنت عزاداری و منقبت خوانی در تاریخ شیعہ امامیہ* (قم: موسسہ شیعہ شناسی، 1385ش)، 147۔

17. Muhammad Isfandyari, *Kitāb Shanasi-e Taarīkhi Imam Hussain(AS)*, 2nd ed. (Tehran: Wiarat-e-Irshad, 1391), np ;Rafa-i-Abdul Jabar, *Moajam Ma Qataba Annirrasul waAhl-e-Bait*, vol. 7,8, wa Zimah (Tehran: Wizarat-e-Farhang Wa Irshad, 1371AD),

np; Muhammad Jawad, Sahibi, *Sair-e-Tahawul-e-Maqtal Nigari*, Tehran: Mujalla e farhang-o-Indeeshe, vol. 17, 1386AD, 180.

محمد اسفندیاری، *کتابشناسی تاریخی امام حسینؑ باضمیمہ الذریعہ*، چاپ 2 (تہران: انتشارات وزارت ارشاد، 1391ش)، صفحہ ندارد؛ رفاعی عبدالجبار، *معجم ماکتب عن الرسول واہلبیت*، ج 7، 8، وضمیمہ (تہران: وزارت فرہنگ وارشاد، 1371ش)، صفحہ ندارد؛ محمد جواد صاحبی، *سیر تحول مقتل نگاری*، تہران مجلّہ فرہنگ واندیشہ، ش 17 سال 1386ش، 180۔

18.DarBandi Fazil, *Isrār al-Shahadāt*, vol.1 (Bahrain: Shirkat-ul-Mustafa, 1994), 659to675.

دربندی، فاضل، *اسرار الشہادات*، ج 1 (بحرین: شرکۃ المصطفیٰ، 1994) 659تا675۔ ملادربندی نے مافوق الفطرت واقعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مختلف عجیب وغریب توجیہ وتاویل بھی کی۔

19. Muhaddith Noori, *Lulu wa Marjān* (Qom: Religious Publications, 1388AD), 180-1998.

محدث نوری، *لؤلؤ ومرجان* (قم: انتشارات مطبوعات دینی، 1388ش)، 180- 199۔

20. Ibid, 35.

ایضاً، 35۔

21. Farhad Mirza, Mo'tamed Al-Dawla, *Qamqam Al-Zakhar Wa Samsam Al-Batar* (Tehran: Farang Islami, 1990), 5.

فرہاد میرزا، معتمد الدولہ، *قمقام الزخار وصمصام البتار* (تہران: دفتر نشر فرہنگ اسلامی، 1390ش)، 5۔

22. Muhammad Sehati, Sardrūdi, *Ashura Pajuhishi ba Royekared Bey Tahrīf Shanasiye Tarīkh-e-Imam Hussain (AS)* (Qom: (Qom: Khadim Al-Reza Publications, 1384AD), 106.

محمد صحتی سردرودی، *عاشورا پژوہشی بارویکرد بہ تحریف شناسی تاریخ امام حسینؑ*، چ1 (قم: انتشارات خادم الرضاؑ، 1384)، 106۔

23. Jalal Al-Ahmad, *Illegal Mourning*, Trans: Al-Tanziya, (Bushehr: Nashir Darya, 1371AD), 27, 37.

جلال آل احمد، *عزاداریھای نامشروع*، ترجمہ التنزیہ، (بوشہر: ناشر دریا، 1371ش)، 27تا37۔

24۔ ابوالکلام آزاد نے شہادت حسینؑ کے عنوان سے ایک تقریر کی جسے بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ مصر میں طہٰ حسین نے کتاب علی وبنوہ میں اس واقعہ کی تحلیل کی اور عمروابوالنصر نے کتاب الحسین بن علی اور عقاد ابوالشہداء اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔

25. Saadiq Ali Gul, *Fan-e Tarīkh Nawīsi* (Lahore: Nashir Iftikhar Ahmed, 2002), 12,35.

صادق علی گل، *فن تاریخ نویسی* (لاہور: ناشر افتخار احمد، 2002ء)، 12و35۔

26. Chauhdary Muhammad Ali, *Kuliyaat-e Chauhadry Muhammad Ali*, vol.2 (Delhi: Qoumi Counsil Bara-e-Farogh-e-Urdu Zaban, 2005), 76.

چوہدری محمد علی، *کلیات چوہدری محمد علی*، ج 2 (دہلی: قومی کونسل برای فروغ اردو زبان، 2005ء)، 76۔

27. Syed Qutab,J*adah wa Manzil*, Excerpt from the life of Syed Qutb from the pen of the translator (Lahore: islamic Publications, 2018), 44.

سید قطب، *جادہ ومنزل*، مترجم کے قلم سے سید قطب کے حالات زندگی سے اقتباس (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 2018)، 44۔

28. *Magazine Maktab Islam*.

مجلّہ مکتب اسلام۔

29.Mohammad Ibrahim, Ayati, *Majmoa'ye Athar-e Ashurai Mohammad Ibrahim Ayati*, research of Seyyed Abdullah Hosseini (Qom: Dar al-Irfan, 2013), 29.

آیتی، *مجموعہ آثار عاشورایی محمد ابراہیم آیتی*، تحقیق سید عبداللہ حسینی، (قم دارالعرفان، 2013)، 29۔

30. Muhammad Ibn Sa'd, Tabaqat Al-Kubra, *Translated By Imam Al-Husain From Tabaqat Ibn Sa'du* Tahaqiq Abdul Aziz Tabatabai (Qom: Al-Bayt Foundation, 1995), 21 to 25; Tabarani, Abu Al-Qasim Salman Ibn Ahmad, Tabarani, *Muqtil Al-Hussein (a.s)*, Muhammad Shuja Zaifullah (Kuwait: Dar Al-Awrad, 1412Ah), 43 to 50.

محمد بن سعد، *ترجمہ الامام الحسینؑ من طبقات ابن سعد* و تحقق عبدالعزیز طباطبائی (قم: موسسہ آل البیت، 1995)، 21 تا25؛ ابو القاسم سلمان بن احمد، طبرانی، *مقتل الحسینؑ*، محمد شجاع ضیف اللہ (کویت: دار الاوراد، 1412ق)، 43تا50۔

31. Abu Ja'far Muhammad b- Jarir, Tabari, *Tarikh Al-Umum wa Al-Malūk*, Taqiq Muhammad Abu Al-Fadl Ibrahim, vol.5 (Berut: Dar Al-Kitab Al-Alamiya. Sn), 339 to 351.

ابو جعفر محمد بن جریر، طبری، *تاریخ الامم والملوک*، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج5 (بیروت: دارالکتب العلمیہ، سن ندارد)، 339تا351۔

32. Tabari, *Tarikh Tabari*, 353.

طبری، *تاریخ طبری*، 353۔

33. Ibid, 357.

ایضاً، 357۔

34.Ibid, 394.

ایضاً، 394۔

35.Ibid, 496.

ایضاً، 496۔

36. Ibid, 427.

ایضاً، 427۔

37..Ibid, 386; Sheikh Mufīd Muhammad b. Nau'man, *Al-IrshĀd*, vol. 2 (Berut: Dar-ul-Mufeed, 1993), 67, 68.

ایضاً، 386؛ محمد بن نعمان، شیخ مفید، *الارشاد*، ج2 (بیروت: دارالمفید، 1993)، 67، 68۔

38. Ibid, 403,404.

ایضاً، 403و404۔

39. Ibn Atham, Ahmad, *Al-Fatuh*, Research: Ali Sherry, vol. 5 (Berut: Dar Al-Adwa', 1411AH), 19.

ابن اعثم، احمد، *الفتوح*، تحقیق: علی شیری، ج5 (بیروت: دارالاضواء، 1411ق)، 19۔

40۔ ان واقعات کو صالحہ نجف آبادی نے کتاب شہید جاوید میں ایک ایک کرکے نقد کیا ہے، شہید جاوید 98 تا 108۔

41۔ رجوع کریں شیخ مفید کی کتاب مسائل العکبریہ، سید مرتضی *تنزیہ الانبیاء* ص179 فش 182 اور شیخ طوسی کی تلخیص الشافی ص182 فش 188۔

42۔ رجوع کریں محمود احمد عباسی کی کتاب خلافت معاویہ و یزید اور تحقیق مزید فی خلافت معاویہ و یزید نیز تحقیق سید و سادات

43۔ رجوع کریں علی و حسین تالیف قاضی اطہر مبارک پوری، کتاب کربلا کا مسافر تالیف مشتاق احمد نظامی، محمود احمد عباسی عقائد و نظریات کہ آئینے میں تالیف سید علی مطہر نقوی امروہی۔

44. Muhammad Hussain Najafi, *Saa'dat Al-Darain Fi Muqtal Al-Hussein (A.S)* (Islamabad: Islamic Book Center, 2004), 19.

محمد حسین نجفی، *سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ* (اسلام آباد: اسلامک بک سنٹر، 2004)، 19۔

45 . Ibrahim Ayati, *Tarikh Piambar Islam*.

ابراہیم آیتی، *تاریخ پیامبر اسلام*۔

46۔ مشہور مورخ یعقوبی کی کتاب البلدان اور معاصر مورخ طہ حسین کی کتاب تاریخ پیامبر اسلام کا ترجمہ کیا۔

47. Ayati, *Majmova e aasar e ashurai*, 39.

آیتی، *مجموعہ آثار عاشورائی*، 39۔

48. Hashemi Nejad Abdul Karim, *Darasi keh Hussain(A.S) Bay Insanha Amokth* (Tehran: Published By Shahid, 1380AD), Muqadma Kitab.

ہاشمی نژاد عبدالکریم، درسی کہ حسینؑ بہ انسانہا آموخت (تہران: نشر شاہد، 1380ش.) مقدمہ کتاب

49. Saleyhi Najaf Abaadi, Naimatullah, *Shahīd-e Jawaid* (Tehran: Umeed-e-Farda 1387AD), Muqadma Kitab Shaheed-e-Jawaid..

صالحہ نجف آبادی، نعمت اللہ، شہید جاوید، چاپ4 (تہران: امید فردا، 1387ش). مقدمہ کتاب شہید جاوید

50۔ رجوع کریں نعمت اللہ صالحہ نجف آبادی کی کتاب شہید جاوید۔

51. Hameed Inayat, *Andeesha-e Siyasi dar Islam Islam-e-Mua'sir*, Translated by Baha-ud-Din Khurram Shahi) Tehran: Khua Razmi Publishers, 1365AD), 325.

حمید عنایت، *اندیشہ سیاسی دراسلام معاصر*، ترجمہ بہاء الدین خرمشاہی (تہران: انتشارات خوارزمی، 1365ش)، 325۔

52. Isfandyari, *Kitāb Shanasi-e Taarīkhi Imam Hussain(AS)*, 181.

اسفندیاری، *کتابشناسی امام حسینؑ*، 181۔

53. Mahdi Murtazawi, Jawab OraKitab ou muqadma Kitab, (Qom: Allama Publications, 1350AD), Muqadma Kitab.

مہدی مرتضوی، *جواب اوازکتاب اومقدمہ کتاب* (قم: انتشارات علامہ، 1350ش)، مقدمہ کتاب۔

54. Lotfi, Mujtaba, *Shokran Andisheh*) Tehran: Kawair Publications, 1395AD), 200.

لطفی مجتبی، *شوکران اندیشہ* (تہران: انتشارات کویر، 1395ش) ،200۔

55. Safi Gulpaighani, Lutf Ullah, *Shahīd-e Agāh* (Tehran: Kitāb Khana-e-Sadr, 1391AD), 25.

صافی گلپایگانی، لطف اللہ، *شہید آگاہ* (تہران: کتابخانہ صدر، 1391ق)، 25۔

56.Muhammad Hussain, Tabatabai, *Rasala Ilm-e Imam* (Berut: Dar Al-Hijjah Al-Bayda, 1421AH), 5.

محمد حسین، طباطبائی، *رسالہ علم امام* (بیروت: دارالحجہ البیضاء، 1421ق)، 5۔

57. Syed Ja'far, Shahīdi, *Qayam-e-Hussain (A.S)* (Tehran: Daftar-e-Nashr-e-Farhang-e-Islami, 1388AD), 10.

سید جعفر، شہیدی، *قیام حسینؑ* (تہران: دفتر نشر فرہنگ اسلامی، 1388ش)، 10۔